سمہ حکمرانوں کے علمی کارنامے

رحمت فرخ آبادی

سندھ ازمنہ قدیم ھی سے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا گہوارہ رہا ھے ۔ یہاں سے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کے جو چشمے پھوٹے ، انہوں نے ایک عالم کو متاثر کیا ۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ھے کہ جب محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا تو اس زمانے میں سندھی زبان ، ایک تحریری زبان کی حیثیت سے موجود تھی ۔ سندھ پر عربوں نے تقریباً تین سو سال حکومت کی ۔ اس تمام عرصہ میں اسلام یہاں بڑی تیزی سے پھیلا ۔ درحقیقت اس دور کی اسلامی فتوحات کی نمایاں خصوصیت سیاسی اقتدار کی حیرت انگیز تیز رفتاری اور غیر متزلزل توسیع نہیں بلکہ سیاسی اقتدار کے جلو میں دین اسلام ، عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم و فنون کی کارفرمائی ھے ، چنانچہ ھم یہ دیکھتے ھیں کہ سندھ کے عرب حکمرانوں میں فاتح سندھ محمد بن قاسم بذات خود عربی کا ایک قادر الکلام شاعر تھا اور بقول ڈاکٹر ممتاز پٹھان (۱) سندھ میں محمد بن قاسم پہلا فرد تھا جس نے عربی شاعری کی ترقی اور نشو و نما کی ابتدا کی ۔ تاریخ شاھد ھے کہ محمد بن قاسم کے بعد بھی سندھ میں یکے بعد دیگرے کئی گورنر ایسے مقرر ھوئے جن کے ھمراہ شعراء بھی آئے ، جو بنیادی طور پر سپاھی تھے (۲)

اسی طرح ھم یہ بھی دیکھتے ھیں کہ سندھ پر عربوں کی حکمرانی کے زمانے میں شاعروں ، ادیبوں ، دستکاروں اور سپاھیوں کے ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں آنے اور جانے کی وجہ سے عربوں اور اھل سندھ کے درمیان ایک گہری افہام و تفہیم بھی پیدا ھوئی جس نے مستقبل میں علمی اور ادبی

سرگرمیوں کے جاری رکھنے میں بہت مدد دی ، عرب حکمرانوں نے سندھ کے غیر مسلم عالموں کی حوصلہ افزائی کی ۔ اس سلسلے میں ہم آل برامکہ کی خدمات کو کسی طور پر فراموش نہیں کر سکتے ، چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عباسی گورنر عمران بن موسی برمکی نے یہاں کے علم و ادب کے ساتھ گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور بغداد کے بیت الحکمت کے لئے سندھ کے عالموں کا ایک وفد بھیجا (۳)

عرب حکمرانوں کے بعد سب سے قابل ذکر دور سندھ کے سومرہ حکمرانوں کا ھے ۔ سومرہ خاندان کے تقریباً بیس حکمرانوں نے سندھ پر حکومت کی ، یہ دور سندھی ادب کی نشوونما کے لئے بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ھے ۔ اس دور کی ادبی روایات نے آنے والے دور کے لئے بنیاد کا کام دیا ۔ سومرہ دور میں جو لوک داستانیں لکھی گئیں ، ان کے بارے میں یہ قیاس کیا جاتا ھے کہ وہ سومرہ حکمرانوں کے علمی ذوق کی بھی آئینہ دار ھیں اور یہ کہ ان داستانوں سے ھمیں اس دور کی تہذیب و معاشرت کا بھی پتہ چلتا ھے ، اب جہاں تک سومرہ دور کی علمی سرگرمیوں کا تعلق ھے ، اگرچہ وہ ھمارے موضوع سے خارج ھیں لیکن بقول قبلہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (۴) یہ کہے بغیر بھی نہیں رہا جاتا کہ "سمہ خاندان کے آخری دور میں سندھ میں تعلیم و تدریس کے اعلی معیار اور متعدد درسگاھوں میں اعلی ترین قابل اور فاضل اساتذہ کی موجودگی سے یہ گمان قوی ہوتا ھے کہ عرب اسلامی دور حکومت سے لے کر سمہ حکمرانوں کے دور تک سندھ میں تعلیم اور تعلیمی اداروں کا ایک مسلسل اور مربوط نظام قائم رہا جس کا ثبوت اس عرصہ میں کئی سندھی علماء اور محققین کا وجود ھے جن کے اسمائے گرامی اور مختصر سوانح حیات بیرون سندھ کے علماء کی تصانیف میں مل جاتے ھیں " ۔

سومرہ خاندان کے بعد سندھ پر سمہ خاندان نے حکومت کی ، ان کا اقتدار ۱۳۵۱ء / ۷۵۲ھ سے لے کر ۱۵۱۹ء / ۹۲۳ھ تک رہا ۔ (۵) اور یہی ھمارے مقالے کا موضوع ھے ۔ سومرہ حکمرانوں کے زوال کے دور میں یہ قوم بہت طاقتور

تھی اور مکران کے علاوہ مغربی سندھ سے جنوبی سندھ تک پھیلی ہوئی تھی ، اس قوم نے اپنے سردار جام انڑ کی کمان میں آخری سومرہ حاکم ارمیل کو قتل کرکے اقتدار پر قبضہ کیا تھا ۔ اس طرح اس سلطنت کا بانی جام انڑ تھا ، اس کے بعد اس خاندان کے یکے بعد دیگرے اٹھارہ حکمرانوں نے سندھ پر حکومت کی۔

جام انڑ نے صرف ساڑھے تین سال حکومت کیُ تھی ، اس کے بعد صدرالدین جام جونہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اور چودہ سال حکومت کی ۔ پھر جام تماچی اور جام خیرالدین سلطان بنے ۔ جام خیرالدین ایک نیک اور عادل حکمران تھا ، اسی لئے تاریخ معصومی (٦) میں ہے کہ جام خیرالدین نے عدل و انصاف کو عام کیا اور رعایا کی بہتری کے لئے ہر طرح کوشش کرتا رہا ۔

جام خیرالدین کے بعد علاءالدین جام جونہ اور پھر سلطان جام رکن الدین شاہ جام تماچی ثانی حاکم بنے ۔ جام تماچی ثانی نے صرف تیرہ سال حکومت کی تھی ، اس کے بارے میں پیر سید حسام الدین راشدی لکھتے ہیں (٧) کہ ”یہ وہی تماچی ہے جس نے جھیل کینجھر کے ایک مچھیرے کی لڑکی نوری کو اپنی ملکہ بنایا تھا اور جھیل کے کنارے اس کے لئے ایک محل تعمیر کرایا تھا ، جس کے آثار اب بھی باقی ہیں ۔ ان دونوں کی قبریں مکلی میں شیخ حماد جمالی کے مزار کے پاس ایک حجرے میں موجود ہیں “ شیخ حماد جمالی ایک صوفی اور پاک منش بزرگ تھے ۔ (٨) ان کے کہنے پر جام تماچی ثانی نے مکلی کی پہاڑی پر ایک جامع مسجد تعمیر کرائی تھی ۔ اس سلسلے میں صاحب تحفۃ الکرام (٩) نے جو تفصیل لکھی ہے ، اس سے جام تماچی ثانی اور شیخ حماد جمالی کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ بقول صاحب تحفۃ الکرام ، جب جام تماچی سندھ کے تخت پر بیٹھا تو وہ آپ کی خدمت می ایک کثیر رقم بطور نذر لے کر حاضر ہوا ، اور عرض کیا کہ یہ تاج و تخت آپ ہی کی دعاؤں اور برکتوں کا ثمرہ ہے ۔ میں پھر بھی آپ کے لطف و کرم کا طالب ہوں ، میرے لئے دعا فرمائیے کہ میرے بعد بھی سندھ پر میری اولاد کی حکومت باقی رہے ۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ رقم جو تم لے کر آئے ہو ، میری خانقاہ کے متصل اس سے ایک

مسجد تعمیر کر دو اور اپنی اولاد میں سندھ کی زمین تقسیم کر دو تاکہ یہ زمین ہمیشہ انکے قبضے میں رہے ۔ غالباً یہ شیخ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ایک طویل مدت تک سندھ سے لے کر کیچ تک کا بڑا علاقہ سمہ قوم کی ملکیت رہا

اس سلسلے میں پیر سید حسام الدین راشدی (۱۰) مزید لکھتے ہیں کہ اس مسجد کی چہار دیواری اب بھی بہت ہی خستہ حالت میں جام نظام الدین کے مقبرے کے بالمقابل موجود ہے ۔ جام تماچی نے تعمیر مسجد کے لئے رقم ۹۳ ۔ ۹۲کھ میں دی اور اس کے بعد مسجد کی تعمیر شروع ہوئی ۔ تعمیر مسجد کے بعد شیخ حماد جمالی نے سمہ حکمرانوں کو حکم دیا کہ آئندہ وہ اپنے مقبرے اس مسجد کے قرب و جوار میں بنوائیں اور اس طرح اس مسجد کے قریب ان کے مقبرے تعمیر ہونے لگے ۔ اسی طرح تحفۃ الکرام (۱۱) اور تحفۃ الطاہرین (۱۲) میں ہے کہ شیخ حماد جمالی کی یہ عادت تھی کہ خانقاہ کے ایک حجرے میں رہتے اور چہرے پر ہمیشہ نقاب ڈالے رکھتے تھے ، طالبان علم اور سالکان راہ طریقت درس و تدریس اور فیوض باطنی کے حصول کے لئے خانقاہ میں حجرے کے گرد جمع ہو جاتے اور آپ وہیں سے حقائق و معارف کے دریا بہاتے اور معرفت و تزکیہ نفس کی تعلیم دیتے ۔ آپ سے روزانہ اکتساب فیض کرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہوتی ۔ اس طرح آپ کی خانقاہ سمہ دور میں علوم ظاہری اور علوم باطنی کا ایک اہم مرکز بنی ہوئی تھی ۔

جام تماچی ثانی کے بعد اس کا لڑکا جام صلاح الدین اور پھر جام نظام الدین اور اسکے بعد جام علی شیر تخت پر بیٹھے ۔ جام علی شیر نہایت مدبر ، دانشمند ، انصاف پسند اور بہادر حکمران تھا ، اس نے اقتدار سنبھالتے ہی ملک میں امن و امان قائم کیا اور عدل و انصاف جاری کیا ۔ جام علی شیر کی یہ عادت تھی کہ وہ رات کو سیر کے لئے اکیلا کافی دور تک چلا جاتا تھا ، چنانچہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چچاؤں نے اسے قتل کرا دیا اور اقتدار پر قبضہ کر لیا ۔ جام علی شیر علم و ادب کا مربی تھا ۔ اسکے دور میں بھی علم و ادب نے کافی ترقی کی اسطرح اب جام علی شیر کی جگہ اسکا چچا جام کرن

اور پھر جام سکندر حاکم بنا ۔

جام سکندر کے بعد جام فتح خان تخت پر بیٹھا ، اسی کے زمانے میں امیر تیمور نے ھندوستان پر حملہ کیا چنانچہ ملتان اور اچ کی فتح کے بعد امیر تیمور کا پوتا ، پیر محمد بکھر کی طرف بڑھا ۔ تیموری افواج کی آمد کا سن کر بکھر کا حاکم جیسلمیر کی طرف فرار ھو گیا اور بکھر کے لوگوں کو بے یار و مددگار چھوڑ گیا ۔ جب پیر محمد بکھر کے قریب پہنچا تو وھاں کے بزرگ مولانا ابوالغیث اس سے ملاقات کے لئے گئے جن سے پیر محمد بڑی عزت اور احترام کے ساتھ پیش آیا چنانچہ مولانا ابوالغیث کی سفارش ھی کی وجہ سے بکھر تیموری حملہ سے محفوظ رھا ۔ جام فتح خان نے سندھ پر پندرہ سال نہایت دانشمندی اور امن و امان سے حکومت کی‌اس کے دور میں علم و ادب نے بھی کافی ترقی کی تھی اسی طرح جام فتح خان کے بارے میں تاریخ معصومی (۱۳) میں ھے کہ وہ ایک سخی اور بہادر مرد تھا اور اسکی سخاوت اور مروت دور دراز کے علاقوں تک پھیلی ھوئی تھی ۔ جام فتح خان کے بعد اس کا بھائی جام تغلق شاہ تخت نشین ھوا ، اور پھر اس کے بعد اس کا ایک عزیز جام مبارک جو چند ماہ ھی حکومت کر سکا ۔

جام مبارک کے بعد اس کا بیٹا جام سکندر تخت نشین ھوا ، یہ سمہ خاندان کے دور حکمرانی کا عہد وسطی کہلاتا ھے ، اس درمیانی عرصہ میں ایک اعلی تعلیمی سلسلے کے وجود کا پتہ اس سے چلتا ھے کہ اس نے **۸۵۸ھ** کے قریب علامہ علاء الدین منگلوری کو منطق کی کتاب میزان کی شرح لکھنے کے لئے مقرر کیا انہوں نے یہ شرح الزبدہ کے نام سے لکھی ۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ لکھتے ھیں (۱۴) کہ ,,منگلور کاٹھیا وار کا ایک شہر ھے ، اس کی جامع مسجد کی بنیاد **۸۵۷ھ** میں رکھی گئی اور غالباً یہی مسجد وھاں کی درسگاہ کا مرکز بنی ۔ علامہ علاء الدین منگلوری اس درس گاہ میں فاضل استاد تھے ۔ ان کی لکھی ھوئی یہ شرح سمہ خاندان کے آخری دور میں ٹھٹھہ اور لاڑکی درسگاھوں میں درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی تھی اور پھر تقریباً سو سال تک ترخان دور میں بھی اعلی تعلیمی نصاب میں مقبول رھی اور مرزا عیسی خان

ترخان اور مرزا محمد باقی ترخان کے دور کے ایک نامور عالم قاضی نعمت اللہ ولد سائین ڈنو عباسی نے اس کتاب کے مطالعہ کو آسان بنانے کے لئے اس پر حواشی تحریر کئے ۔ علامہ علاء الدین نے اس کتاب کو جام سکندر کے نام معنون کیا تھا ۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ جامعہ سندھ کے شعبہ تاریخ اسلام کے بانی پروفیسر قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی کے پاس تھا (۱۵) اور ان کے انتقال کے بعد اب یہ مخطوطہ کتب خانہ جامعہ سندھ میں موجود ھے ۔ (۱۶)

جام سکندر کے بعد جام رائے ڈنہ اور پھر اسکے بعد جام سنجر تخت پر بیٹھا ۔ تاریخ معصومی (۱۷) میں ھے کہ جام سنجر ایک حسین و جمیل اور خوبرو نوجوان تھا ۔ اسکے دور میں سندھ نے بہت ترقی کی ، ھر جگہ سرسبزی اور شادابی کا دور دورہ تھا ۔ ایسی فارغ البالی اس سے پہلے کے کسی حاکم کے دور میں نہ تھی ۔ جام سنجر عالموں اور درویشوں کا قدر دان تھا اور ان کی خدمت کرتا تھا اور مستحق افراد کو وظیفے اور تنخواھیں دیتا تھا وہ جمعہ کے دن سب سے زیادہ خیرات کرتا ۔ جام سنجر ایک عادل اور انصاف پسند حکمران تھا ، اس نے آٹھ سال حکومت کی ، اسکے دور میں علم و ادب کو کافی فروغ حاصل ھوا اور بقول صاحب تحفۃ الکرام (۱۸) اس نے اھل شریعت کے لئے بھی وظائف اور تنخواھیں مقرر کی تھیں ۔

جام سنجر کے انتقال کے بعد جام نظام الدین عرف جام نندا تخت نشین ھوا ۔ سید حسام الدین راشدی (۱۹) لکھتے ھیں کہ اھل سندھ اسے قربت و محبت کی بنا پر جام نندا کہتے تھے اور ابھی تک اسکے نام کی یہ تخفیف مروج و مشہور ھے ۔ وہ سمہ خاندان کا آخری اور آزاد سندھ کا پہلا تاجدار تھا جس نے نہ صرف ملک پر حکومت کی بلکہ عوام کے دلوں پر بھی تاج داری کی ۔ تاریخ معصومی (۲۰) میں ھے کہ اس کی تخت نشینی کے مسئلے پر تمام لوگ ، عالم، صالح ، رعایا اور سپاھی متفق تھے ۔ یہ حد درجہ پاکباز ، زاھد اور متقی تھا اور تمام عمر باوضو رھا ۔ اسی لئے صاحب مآثر رحیمی نے لکھا ھے (۲۱) کہ نہ صرف سندھ بلکہ پورے ھندوستان میں اس جیسا دیندار ، متقی اور صاحب فضیلت کوئی نہ تھا ، اس نے احیائے سنت و شریعت اور دینی مدرسوں کے قیام

اور ان کی ترقی و ترویج کے لئے بہت کام کئے ۔ امیر محمد معصوم بکھری نے یہ بھی لکھا ھے (۲۲) کہ وہ علم کی بڑی چاہ رکھتا تھا اور ابتدا میں مدرسوں اور خانقاہوں میں رہا کرتا تھا ، وہ نہایت حلیم ، خلیق ، پسندیدہ صفات اور حسین عادات کا حامل تھا ۔ جام نظام الدین اپنا زیادہ تر وقت اپنے عہد کے علماء کے ساتھ علمی بحث و مباحثہ اور گفتگو میں صرف کیا کرتا تھا یہ ابتدا ھی سے علم کا شائق تھا اور علمی اداروں کی اور علماء کی سرپرستی کیا کرتا تھا اور اسی وجہ سے باہر کے کافی علماء اور مشاہیر اسکے دربار میں جمع ھو گئے تھے بقول سید حسام الدین راشدی (۲۳) اس کی حکومت کے آخری زمانے میں ایران ، خراسان اور ماوراء النہر کے علماء کثیر تعداد میں سندھ آئے اور انہوں نے یہاں مستقل طور پر بود و باش اختیار کی چنانچہ جام نظام الدین ننده کو انہیں ٹھٹھہ میں آبادکرنےکےلئے الگ محلے مخصوص کرنا پڑے، ان میں ایسے علماء بھی تھے جن کی آمد اھل سندھ کے لئے باعث رحمت تھی ، ایسے علماء میں مولانا عبدالعزیز ابہری اور ان کے بیٹے مولانا اثیر الدین اور مولانا محمد قابل ذکر ھیں، جو اپنے خاندان سمیت یہاں آئے اور اشاعت علم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا اور سینکڑوں طالب علموں کو علم سے بہرہ ور کیا ، اسی لئے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ (۲۴) نے لکھا ھے کہ سمہ سلاطین کے اوائلی دور تک سندہ کے علماء کی خاص توجہ تفسیر ، حدیث اور صرف و نحو پر تھی اور یہی علوم اعلی تعلیمی منہاج کے مرکز و منبع تھے جام نظام الدین کے دور میں فلسفہ اور منطق کے مطالعہ کا ذوق بڑھا اور معقولات کو اعلی تعلیمی نصاب میں ایک خاص مقام حاصل ھوا ، مخدوم عبدالعزیز ابہری منطق اور فلسفے کے استاد تھے اور معقولات کے مطالعہ کے ذوق نے انکی رہنمائی ھی میں جلا پائی اور بقول میر معصوم بکھری (۲۵) سندھ میں علم معقول کی اشاعت ان ھی کے ذریعہ ھوئی ۔ اس دور کی ایک اور اھم اور قابل ذکر شخصیت شیخ صدرالدین کی ھے یہ اپنے وقت کے جید عالم ، متقی و پرہیزگار بزرگ اور جام نظام الدین ننذا کے ھم عصر تھے اور اس قدر جامع العلوم تھے کہ انہوں نے ہزارھا طلبا کو علم کے بلند مدارج پر فائز کر دیا تھا ۔ (۲۶) اس طرح مولانا جلال الدین دوانی نے شیراز سے سندھ آنے کا

ارادہ کرکے اپنے دو شاگردوں میر شمس الدین اور میر معین کو ٹھٹھہ بھیج دیا اور وہاں کی اقامت اختیار کرنے کی اجازت چاہی ۔ اس جام نظام الدین نے معقول حویلیوں کو مخصوص کرکے گزارہ کا سامان تیار کرایا اور مذکورہ افراد کے ذریعہ اخراجات سفر کے لئے نقد رقم بھی ارسال کی لیکن قاصدوں کے پہنچنے سے پیشتر ہی مولانا آخرت کا سفر اختیار کر گئے چونکہ میر شمس الدین اور میر معین الدین کو جام نظام الدین کی صحبت پسند آ گئی تھی اس لئے واپس آ کر انہوں نے ٹھٹھہ کی سکونت اختیار کر لی ۔ (۲۷)

اس دور میں عوام دینداری کی طرف راغب ہوئے اور مساجد نمازیوں سے بھری رہتی تھیں اور کوئی شخص بھی تنہا گھر میں نماز نہ پڑھتا تھا ، اسی لئے میر علی شیر قانع نے لکھا ہے کہ (۲۸) یہ سمہ قوم کا سب سے زیادہ عادل اور جلیل القدر بادشاہ ثابت ہوا ، اور اس نے سب سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی ، اس کے عہد میں علما، صالحین ، سادات اور عامۃ الناس بڑے آرام اور چین سے وقت گزارتے رہے ، اسلامی احکامات کی پابندی اس قدر رائج ہو چکی تھی کہ بقول میر معصوم بکھری (۲۹) اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ، مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا رواج اس قدر پھیل گیا تھا کہ کوئی بھی چھوٹا یا بڑا تنہا مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا پسند نہ کرتا تھا ، اگر کسی وقت کسی سے نماز باجماعت چھوٹ جاتی تھی تو وہ نہات پشیمان ہو کر دو تین دن توبہ و استغفار پڑھتا تھا ۔ جام نظام الدین کے دور میں ملک میں بھی کبھی کوئی فساد رونما نہ ہوا ، اس کی نیک بختی اور پرہیزگاری کے متعلق عجیب و غریب داستانیں اور اسکے صفائے قلب کے بارے میں روشن نشانیاں موجود ہیں ، نقل ہے (۳۰) کہ ایک بزرگ جو زیادہ صحیح قول کے مطابق قاضی عبداللہ ہیں اور جن کا مقبرہ شیخ حماد جمالی کے مقبرے کے عقب میں مشہور ہے ، انکی لاش غیبی طور پر مکلی کی پہاڑی پر اپنے مدفن سے ظاہر ہوئی اور ایک بزرگ کو انہوں نے خواب میں اشارہ کیا کہ میری لاش پر ایسا شخص نماز پڑھائے کہ جس نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے آج تک آسمان کی طرف بغیر وضو کے نظر نہ ڈالی ہو اور اپنی برہنگی بھی نہ دیکھی ہو ، دوسرے

کی برھنگی دیکھنا تو دور کی بات ھے بہر حال بے حد تلاش کے باوجود جام نظام الدین کے علاوہ کوئی دوسرا ایسا شخص نظر نہ آیا ، اس لئے اس نے خود ھی اس جنازہ کی نماز کی امامت کی ، اسی طرح بقول پیر سید حسام الدین راشدی پیر مراد شیرازی کی نماز جنازہ بھی جام نظام الدین نندا نے پڑھائی ـ (۳۱)

جام نظام الدین نندا نے کوہ مکلی کے دامن میں ٹھٹھہ شہر کی نئے سرے سے بنیاد رکھی ، کچھ ھی عرصہ میں اس شہر نے صنعت و حرفت اور تجارت میں اس درجہ ترقی کی کہ اس کا شمار ایشیا کے ترقی یافتہ شہروں میں ہونے لگا تو دوسری طرف یہ شہر علم و ادب کا مرکز بھی بن گیا ـ اس شہر میں اعلی تعلیم کے تقریباً تین سو مدرسے تھے اور سرسبزی اور شادابی میں یہ شہر بغداد اور قرطبہ کی ھمسری کرتا تھا ـ

جام نظام الدین نندا نے علم و فن کی ھر لحاظ سے سرپرستی کی چنانچہ ھم یہ دیکھتے ھیں کہ قطب الدین بن محمود اس کے دور کے ایک نامی گرامی خطاط اور فن خوش نویسی کے ماھر تھے ، ان کی خطاطی کے جو نمونے دستیاب ہوئے ھیں ان سے یہ معلوم ہوتا ھے کہ اسے جام مبارک الملقب بہ دریا خان کے مقبرے کی خطاطی کے لئے مقرر کیا گیا تھا ـ یہ مقبرہ کچھ تو دریا خان کی زندگی ھی میں بن چکا تھا اور باقی اسکے مرنے کے بعد اسکے لڑکے احمد کے دور میں مکمل ہوا ، ان مذھبی اور تاریخی نقوش سے یہ ظاھر ہوتا ھے کہ قطب الدین بن محمود ۱۴۹۸ء سے ۱۵۲۱ء تک کے درمیان بھی اپنے یگانہء روزگار علم و فن میں مصروف تھا ـ اس کے خطاطی کے نمونوں سے معلوم ہوتا ھے کہ وہ نسخ اور دیگر طرز ھائے تحریر میں ماھر تھا ـ (۳۲)

جام نظام الدین نندا کے دور کی علمی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ لکھتے ھیں (۳۳) کہ سمہ حکمرانوں کے آخری دور میں فقہ کے مطالعہ کو تعلیمی نظام میں مزید اھمیت حاصل ہوئی ـ پہلی صدی ھجری کے آخر میں اسلامی فتوحات کی وجہ سے سندھ میں شرع اسلامی کی ابتدا ہوئی ـ غالباً تیسری صدی ھجری سے لے کر سرزمین سندھ نے ایسے علما

پیدا کئے جو شریعت اسلامی میں درجہ کمال رکھتے تھے اور اندازاً سومرہ سلاطین کے آخری دور سے ھی سندھ کے اپنے حکمرانوں اور علماء کے ذریعہ سندھ میں شرع اسلامی کی ترویج کا سلسلہ شروع ہوا ، سمہ دور میں ایک طرف صوفیائے کرام کی کوششوں اور تبلیغ سے سندھ کے کونے کونے میں اسلام کا فیض جاری ہوا تو دوسری طرف تعلیمی نظام کی وسعت سے اسلامی تعلیم کی بنیادیں مضبوط ہوئیں ، خاص طور پر سندھ کے سمہ قبیلے سے بڑے بڑے جید عالم اور محقق پیدا ہوئے جنھوں نے شرعی قانون اور سندھی اسلامی معاشرے کی ضروریات میں مطابقت پیدا کرنے میں اہم کردار کیا اور فروعات وجزئیات میں شرعی احکام کی نوعیت کو متعین کرنے کے لئے اصول فقہ کی تعلیم اور فقہی تحقیق کی ضرورت محسوس کی اور قرائن سے یہ معلوم ہوتا ھے کہ سلطان جام نظام الدین ننداکے دور میں حدیث و تفسیر کے ساتھ مطالعۂ فقہ کو سندھ کی درس گاھوں کے نصاب میں اھمیت حاصل ہوئی ۔ قاضی قاضن کے ایک بیت سے یہ معلوم ہوتا ھے کہ اس دور میں کنزالعبرت اور قدوری نامی کتب دینی تعلیم کا لازمی جز تھیں ۔ اس دور میں دیگر علماء کے ساتھ فقہ کے ماھرین اور علماء بھی اعلیٰ تعلیمی درسگاھوں سے فارغ التحصیل ھو کر نکلے ، مثلاً سمہ حکمرانوں کے آخری دور کے عالم مخدوم عباس ھنگورجہ ، تفسیر ، حدیث اور دیگر علوم کے ساتھ علم فقہ کے بھی ماہر تھے اور بقول میر محمد معصوم بکھری وہ مسائل کی تحقیق و تدقیق بڑی اچھی طرح اور مکمل طور پر کیا کرتے تھے ۔ (۳۴)

جام نظام الدین ننداکے دور اور اس دور کی علمی سرگرمیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر سید حسام الدین راشدی لکھتے ھیں کہ (۳۵) "جام نظام الدین نندا نہایت ھی نیک کردار اور گفتار کا سچا ، منتظم ، جری اور خوش اطوار سلطان تھا ۔ جاہ و جلال ، شان و شوکت ، تدبر اور فہم و فراست میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا ، اسکی نصف صدی کی حکمرانی اہل سندھ کے لئے رحمت ثابت ہوئی اس کے دور میں ملک میں امن و امان تھا اور خیر و برکت بے حد و حساب تھی اھل سندھ امن و چین سے زندگی بسر کر رھے تھے اور پورے ملک میں

خوشحالی تھی ـ دینداری اور دنیا داری دونوں ملک میں موجود تھیں اور اسی وجہ سے دینی اور دنیاوی علوم کی اشاعت سندھ میں ہر طرف عروج پر تھی ـ مدرسے اور خانقاھیں آباد تھیں اور رعیت ، امیر اور سپاھی سب آرام و آسائش سے تھے ، وہ جب تک زندہ رہا کسی غیر قوم کو سندھ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ھمت نہ ھوئی ـ » اس سلسلے میں سید حسام الدین راشدی جام نظام الدین نندا کے دور کی ایک اھم خصوصیت بتاتے ھوئے لکھتے ھیں (۳۶) کہ «اس کا سلوک اپنے ہم مذھبوں کے علاوہ غیر مسلموں سے بھی بہت اچھا تھا اور وہ بھی انتہائی امن اور آسائش سے زندگی بسر کر رھے تھے ، ھمیں تاریخ میں کئی ایسے ھندو امیروں کے نام ملتے ھیں جو اسکے دور میں نہایت اھم اور ذمہ دار عہدوں پر فائز تھے اور اسی طرح عام ھندو بھی اسکے دور میں مسلم عوام کی طرح خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر رھے تھے ، نہ مذھبی دوئی تھی اور نہ دینی مناقشے بلکہ اس دور میں اس قسم کا تصور بھی محال تھا» ـ

جام نظام الدین نندا کا انتقال ۱۵۱۸ء میں ھوا ، اس نے کل باسٹھ سال حکومت کی تھی ـ یہ ٹھٹھہ کا ایک لائق حکمران تھا ، یہ خود بھی فارسی کا ایک قادرالکلام شاعر تھا ، اسکے دو شعر صاحب مقالات الشعراء نے (۳۷) درج کئے ھیں جو درج ذیل ھیں

اے آنکہ ترا نظام الدین میخوانند
تو مفتخری کہ مرا چنیں میخوانند

گر در رہ دیں از تو خطایے افتد
شک نیست کہ کافر لعین میخوانند

جام نظام الدین نندا کے دور میں سید میراں محمد مہدی جونپوری ٹھٹھہ آئے اور مہدوی تحریک کی تبلیغ کی ـ وہ یہاں تقریباً ڈیڑھ سال رہے انکی تبلیغی کوششوں سے قاضی قاضن ، مولوی مرزا شاھین بکھری ، شیخ صدر الدین ، مولوی شیخ الیاس ، پیر آسات ، شیخ جھنڈو پاتنی ، قاضی شیخ محمد اچی جعفری ، میاں ابو بکر بکھری ، دریا خاں عرف قبولو اور کئی دوسرے افراد

ان کے مرید بن گئے تھے ۔ مہدی جونپوری کے خلاف مخدوم بلال سموکے خلیفہ سید حیدر سنائی نے قتل کا فتوی جاری کیا تھا لیکن مہدی جونپوری کے مریدوں میں سے شیخ محمد اچی جعفری نے دلائل وبراهین سے اپنے مرشد کی اعانت اور وکالت کی لیکن جام نظام الدین ننداء نے مہدی جونپوری کو ٹھٹھہ اور سندھ سے نکل جانے کا حکم دیا اور اس طرح وہ سندھ سے اپنے دو سو ساٹھ ساتھیوں سمیت قندھار چلے گئے(۳۸) ۔ اس بیان سے ہم یہ نتیجہ بھی نکال سکتے ہیں کہ جام ننداء کے دور میں تبلیغ اور مناظرے بھی ہوتے تھے۔

جام نظام الدین ننداء جہاں عالم ، شاعر اور علم پرور تھا وہیں وہ کتب بینی کا شائق بھی تھا اور اس کا ایک ذاتی عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا(۳۹) اس نے فن خطاطی کو بھی فروغ دیا ، اس کے دور کے مشہور خطاط حافظ رشید تھے جن کا شمار وقت کے ممتاز افراد میں ہوتا تھا(۴۰) ، ان کا فن جام نظام الدین ننداء کے لڑکے جام فیروز کے دور میں بھی عروج پر تھا ، ایک ماہر خطاط اور بہترین خوشنویس ہونے کے علاوہ حافظ رشید ایک جہاندیدہ انسان بھی تھے ، جب شاہ بیگ ارغون نے ٹھٹھہ پر قبضہ کر لیا اور شہر کو اس کی فوجوں نے لوٹنا شروع کیا تو یہ حافظ رشید ہی تھے جنھوں نے مداخلت کی اور شاہ بیگ ارغون سے مل کر ٹھٹھہ کو مکمل تباہی سے بچایا ۔ بدقسمتی سے ہمیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کا انتقال کب ہوا ۔ حافظ رشید کی طرح ان کے لڑکے عبد الرحیم بھی ایک اعلی پائے کے خطاط تھے اور ان کا تعلق بھی سمہ حکمرانوں کے دور زوال سے تھا ، ان کے بارے میں کتب تاریخ اور تذکرے خاموش ہیں کہ یہ کب پیدا ہوئے لیکن ٹھٹھہ کی عمارتوں سے ان کی خطاطی کے جو نمونے ملے ہیں ، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۵۵۳ ء میں اپنے فن کی خدمت کر رہے تھے اور یہ مرزا عیسی خان ترخان کا دور تھا ۔ انکے خطاطی کے نمونوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبد الرحیم بھی اپنے باپ حافظ محمد رشید کی طرح ایک مایہ ناز خطاط تھے اور خط نسخ اور دیگر خطوں پر انہیں کامل عبور تھا(۴۱) ۔

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے لکھا ہے کہ جام نظام الدین ننداء کا دربار

اهل علم کا مرکز تھا ، چنانچہ شیخ جمال الدین قریشی جو شیخ عالم قریشی کی اولاد میں سے تھے جام نظام الدین نندا کے وزیراعظم تھے(۳۲) ۔

جام نظام الدین نندا کا ایک بھائی جام با یزید تھا ، جو خود بھی ایک جید عالم تھا ، اس کے دربار میں علماء و فضلا بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے تو اس کی علم پروری ھی کی وجہ سے بہت سے علماء و فضلاء ٹھٹھہ میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے تھے لیکن بعد میں جب جام با یزید اپنے بھائی جام نندا سے ناراض ہو کر ملتان چلے گئے تو ملتان کے حاکم شاہ حسین لانگاہ نے انھیں شور کوٹ کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا ، اس طرح جام با یزید کی وجہ سے ملتان بھی اہل علم کا مرکز و منبع بن گیا اور ہندوستان اور خراسان کے بیشتر علماء مثلاً شیخ جمال الدین قریشی ، مولانا فتح اللہ ، مولانا عزیز اللہ ؛ میر عماد گردیزی ، مرزا شہید ، مرزا شہدا، شیخ بہاءالدین قریشی، مولانا بہلول ، قاضی محمد اور مولانا ابراهیم وغیرہ یہاں جمع ہو گئے تھے ۔ جام با یزید نے ملتان میں ایک عالی شان مدرسہ بھی قائم کیا تھا جہاں مولانا ابراهیم ساٹھ سال تک فقہ کی تعلیم و تدریس میں مشغول رہے ، اسی طرح مولانا سعید الدین لاہوری بھی اسی مدرسے میں عرصہ دراز تک معلمی کے فرائض سر انجام دیتے رہے چنانچہ اس طرح شرح و قایہ اور ہدایہ کا چرچا شاہی درباروں میں بھی پہنچ گیا تھا(۳۳) ۔ جام با یزید کا اپنا ایک بہت عالی شان اور قیمتی کتب خانہ تھا ۔ وہ خود بھی ایک جید عالم ، فاضل اور علم پرور انسان تھا ، قاضی قاضن ، سید میر مراد شاہ شیرازی اور سید علی شیرازی جیسے بزرگ اس کے ہم عصر تھے ۔ جام نندا کا ایک اور بھائی مخدوم بلال تھا ۔ یہ بھی ایک جید عالم و فاضل تھے اور شعر بھی کہتے تھے ، ان کی ایک رباعی صاحب مقالات الشعراء(۳۴) نے نقل کی ہے جو درجہ ذیل ہے ۔

در راہ خـــــدا سر قدم باید ساخت
سرمایہ اختیار خـــــود باید ســـاخت
کفر است بخود نمائی بـــردن بجہاں
از خویش برون شـــده سویش باید تاخت

جام نظام الدین ننده کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا جام فیروز شاہ حاکم بنا یہ اس خاندان کا آخری حکمران تھا ، جب یہ تخت پر بیٹھا تو بہت ھی کم عمر تھا ۔ اسی کے زمانے میں مخدوم عبد العزیز ابہری محدث ، ان کے فرزند مولانا اثیر الدین اور مولانا محمد جو سب کے سب متبحر عالم تھے کاہان میں قیام پذیر رہ کر چند سال اشاعت علم میں مشغول رہے مولانا مذکور علوم عقلی و نقلی کے جامع تھے اور ہر علم میں انہوں نے بہترین تصانیف یادگار چھوڑی ھیں جن میں ان کی لکھی ہوئی مشکوۃ شریف بھی شامل ہے جسے وہ مکمل نہ کر سکے۔ اس کا مسودہ میر معصوم بکھری کے کتب خانے میں موجود تھا ، اس کے علاوہ انہوں نے بیشتر مستعمل اور مروجہ کتب پر حواشی بھی تحریر کئے تھے(۳۵) ۔ مولانا اثیر الدین اکثر و بیشتر شعر بھی کہتے تھے ۔ ان کے تین اشعار صاحب ۔ مقالات الشعراء نے نقل کئے ھیں(۳۶) جو درج ذیل ھیں :۔

از آن آسمانست فیــــــروزہ رنگ

کہ نقش نگین تـــــــو دارد بچنگ

شب و روز گـــــردد بفیـــروزیت

تـــو فیـــــروز شاھی و بہـــر وزیت

همــــــــی خواھد از کـــردگـــار جلیل

کہ باشـــــی تـــــواندر جہان بیعدیل

اسی کے زمانۂ اقتدار میں شاہ بیگ ارغون نے قندھار سے آ کر سندھ پر قبضہ کر لیا تھا اور اس طرح سندھ سے اب سمہ خاندان کے اقتدار کی جگہ ارغون خاندان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی ۔ یہ واقعہ ۱۵۱۹ع سے متعلق ہے ۔

سمہ حکمران مذھباً مسلمان تھے اور ان کا صدر مقام ٹھٹھہ تھا اور سرکاری لقب جام تھا ۔ یہ حکمران مذھب کے حد درجہ پابند تھے اور اُچ کے گیلانی ، بخاری اور ملتان کے سہروردیہ مشائخ کے مرید تھے ، انہوں نے سندھ میں دین اسلام کو فروغ دینے کے لئے جو کام کئے ان کی وجہ سے سندھ ، عرب

صغیر اور باب الاسلام کے نام سے مشہور ہوا ، ان ہی کے دور میں صوفیائے کرام کی تبلیغی کوششوں کی وجہ سے سندھ میں اسلام بڑی تیزی سے پھیلا(۴۷) ۔

اس دور میں اشاعت تعلیم و تعلم کے بارے میں مولائی شیدائی لکھتے ہیں کہ (۴۸) سمہ دور میں اسلامی علوم کو ترقی ہوئی ، سومرہ دور میں اسلامیات کی تعلیم مساجد میں دی جاتی تھی لیکن سمہ دور میں مدرسوں کے لئے الگ الگ عمارتیں تعمیر ہوئیں جن میں اعلی پائے کے محدث اور بلند پایہ ادیب درس و تدریس میں مصروف تھے ۔ صرف ٹھٹھہ شہر میں اسلامی مدرسوں کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھتی رہی اور ایک وقت وہ آیا کہ ان کی تعداد چار ہزار سے زاید تھی ۔ اسی طرح امیر تیمور کے ساتھ بھی بہت سے علماء اور سادات خاندان کے لوگ ہرات سے سندھ آئے اور اس طرح یہ کہنا درست ہوگا کہ بخارا ، سمرقند اور ہرات کی علمی مجالس کے ختم ہونے کے بعد پوری اسلامی دنیا کے لئے ٹھٹھہ نے ایک دارالعلوم کی حیثیت اختیار کر لی تھی ، لیکن اس دور میں ٹھٹھہ کے علاوہ بکھر ،سیوھن اور کاہان بھی اہم تعلیمی مرکز تھے(۴۹) اور دوسری طرف بوبک اور ٹلٹی میں بھی علماء کی ایک کثیر تعداد رہتی تھی اس بارے میں ڈاکٹر نبی بخش بلوچ لکھتے ہیں(۵۰) کہ سمہ خاندان کے آخری دور میں لاڑ اور شمالی سندھ کی درسگاہوں، علماء ، اساتذہ اور ان کی تصانیف کے بارے میں کافی حوالے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سیوھن اور بکھر کے علاقوں میں تعلیمی معیار کافی بلند تھا نہ صرف مرکزی شہروں بلکہ گاؤں اور دیہاتوں کی درسگاہوں میں بھی اعلی پائے کے اساتذہ موجود تھے ، جنھوں نے ایک طرف لائق شاگرد پیدا کرکے اعلی تعلیم کے دائرے کو وسعت دی تو دوسری طرف اپنے وسیع مطالعہ اور اعلی تصانیف سے علمی تحقیق وتجسس کی بنیاد رکھی ۔ مخدوم محمود فخر پوٹو آخری سمہ دور کے ایک جید عالم تھے جنھوں نے اعلی تعلیم کو فروغ دیا یہاں تک کہ میر محمد معصوم بکھری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے(۵۱) کہ وہ سندھ میں اعلی تعلیمی درسگاہوں کے بانی اور رہنما تھے ، جہاں سے کئی لائق شاگرد فارغ التحصیل ہو کر نکلے اور پھر اپنے دور کے جید عالم کہلائے ۔ ڈاکٹر بلوچ مزید لکھتے ہیں کہ(۵۲)

مخدوم بلاول علم تفسیر و حدیث کے ماہر استاد تھے ۔ اسی دور میں دربیلہ (موجودہ ضلع نواب شاہ) کی درسگاہوں کا تعلیمی معیار بھی کافی بلند تھا اور قاضی ابراهیم وهاں کے اساتذہ اور علماء کے رهنما تھے ۔ قاضی قاضن سمہ دور هی کے تعلیم یافتہ اور علم حدیث ، تفسیر ، اصول فقہ اور صرف و نحو کے ایک جید عالم تھے ۔ سیوهن میں مخدوم محمد سیوستانی اس دور کے فقیہ تھے ، قاضی شرف الدین عرف مخدوم راهو سیوہانی علم تفسیر کے ماہر تھے ، انہیں علم منطق میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی ۔ ان کے صاحبزادے قاضی ڈتو نے ان سے مطول پڑھی تھی ۔ مخدوم رکن الدین عرف مخدوم متو کی تعلیم و تربیت بھی سمہ دور میں هوئی تھی وہ مخدوم بلاول کے خلیفہ خاص اور علم حدیث میں یگانہ تھے اور انہوں نے شرح اربعین اور شرح کیدانی لکھی ۔بوبک کے مخدوم میراں بن مولانا یعقوب کی تعلیم و تربیت بھی سمہ دور هی میں هوئی تھی ، وہ علم معقول اور علم منقول کے جامع تھے ، یہ تمام جید علماء اور اساتذہ سمہ دور کی تعلیمی درسگاهوں هی کے رهین منت تھے ۔ لیکن ان شہروں کے علاوہ اس دور میں ٹلٹی ،ببرلو ، نصرپور ، اگھامانی اور ہالہ کنڈی بھی سندھ میں تعلیم و تعلم کے اهم مرکز تھے(۵۳) ہالہ کنڈی کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ سندھ کے لافانی شاعر شاہ عبد اللطیف کے جد اعلی سید حیدر بن سید میر علی الحسینی جب امیر تیمور کے ساتھ سیرو سیاحت کی غرض سے آئے تو انہوں نے ہالہ کنڈی میں سکونت اختیار کر لی اور یہیں شادی بھی کی تھی(۵۴) ۔

ان تمام درج بالا شہروں میں اور ان کے علاوہ دیگر شہروں میں اعلی تعلیم کی درسگاهیں تھیں جن میں طالب علموں کو قرآن کریم ، تفسیر ، فقہ اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی اور ان کے لباس ، رہائش و طعام کے تمام اخراجات سرکاری طور پر برداشت کئے جاتے تھے(۵۵) سمہ سلاطین علماء کا بہت احترام کرتے تھے(۵۶) ۔ سندھ میں علم پروری کا خاص سبب یہ تھا کہ خود سمہ حکمرانوں نے بھی علوم و فنون کی قدردانی کی اور علمائے کرام کی عزت اور حوصلہ افزائی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی ۔ انہوں نے نہ صرف درس و تدریس میں دلچسپی لی بلکہ درسی کتب لکھوانے میں بھی کافی کوشش کی(۵۷)

اس زمانے میں سندھ میں جو تعلیمی ادارے تھے ان کے نصاب میں قرآن کریم ، فقہ و تفسیر اور علم حدیث شامل تھے اس کے علاوہ اسلامی دنیا سے تعلقات کی وجہ سے جو کتاب خراسان و عجم میں شائع ہوتی تھی ، ان سے بھی سندھ کے علماء واقف ہوتے تھے ، جیسے جیسے وقت گذرتا رہا ، ان مدارس کے نصاب میں بھی ترمیم و اضافہ ہوتا رہا اور بعد کے زمانے میں تہذیب و اخلاق بھی ان درسگاھوں کے نصاب کا لازمی جز بن گئے ۔ باھر کے علماء کی آمد کی وجہ سے علم منطق ، اقلیدس اور خطاطی کی تعلیم کا بھی رواج ہوا ، اس دور کے سندھی علماء ، علم ھیئت سے بھی بخوبی واقف تھے(۵۸) لیکن سمہ سلاطین کے زوال کے وقت اندرونی انتشار ، ارغون کے حملوں اور بالآخر سمہ حکومت کے خاتمہ کی وجہ سے سندھ کے علمی حلقوں میں اضطراب پیدا ہوا ، اور اسی بے چینی کی وجہ سے کئی عالم اور علمی گھرانے سندھ سے ہجرت کر گئے ان میں بعض بقول ڈاکٹر نبی بخش بلوچ(۵۹) گجرات گئے اور پھر وہاں سے عرب و شام کی طرف ہجرت کر گئے تو کچھ سندھ سے ہندوستان چلے گئے اور وہاں علم و عرفان کی شمع روشن کی مثلاً پاٹ شہر کے علمی گھرانے سے عارف شیخ عیسی جند اللہ اور دوسرے بزرگ برہان پور چلے گئے اور وہاں علم و عرفان کی شمع فروزاں کی ۔ دربیلو کے علماء میں سے مخدوم عبد العزیز ابھری کے شاگرد قاضی عبد اللہ بن قاضی ابراھیم سندھ سے ہجرت کرکے ہندوستان چلے گئے ۔ قاضی عبد اللہ اپنے دور کے ایک جید عالم تھے جن سے میر معصوم بکھری نے بھی تحصیل علم کی تھی، وہ ۹۳۴ھ میں گجرات کی اعلی تعلیمی درسگاھوں میں استاد تھے ۔ شیخ عبد اللہ متقی در بیلوی بھی ۹۴۷ھ میں سندھ سے گجرات چلے گئے تھے ، انہوں نے وہاں قاضی عبد اللہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا ، قاضی عبد اللہ بعد میں گجرات سے ہجرت کرکے مکہ معظمہ چلے گئے اور مسند حدیث کو اپنے علم و عرفان سے جلا بخشی اور ایک جید عالم کی حیثیت سے مشہور ہوئے ۔

سمہ سلاطین کی علم پروری کا ایک اور قابل قدر کارنامہ یہ ہے کہ ان کے ابتدائی دور حکمرانی ھی سے فارسی زبان دفتری اور کاروباری زبان کے

طور پر استعمال ہونے لگی تھی ـ لیکن سندھی زبان عربوں کے زمانے ہی سے رائج تھی البتہ سندھ کی داستانوں اور لوک کہانیوں کی بنیاد سومرہ دور میں پڑی جس کی وجہ سے سندھی زبان میں طرز ادا کی زیادہ بہتر صلاحیت پیدا ہوئی اور اس وقت کی ادبی روایات محفوظ ہو گئیں ، لیکن سمہ دور علم و ادب اور زبان و بیان کے ارتقا اور شاعری کی ترقی کے لئے بہت اہم ہے ـ اسی لئے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ لکھتے ہیں (۶۰) کہ سومرہ دور کی طرح کئی تاریخی اور نیم تاریخی داستانیں اور واقعات سمہ دور سے بھی منسوب ہیں ـ اسی دور میں سندھی ادب و شعر میں قوت بیان کو جلاملی ، لسانی سرمایے میں وسعت پیدا ہوئی ؛ ان ہی کے زمانے میں سب سے پہلے سات درویشوں کے سندھ کے وہ اشعار ملے جو انہوں نے جام تماچی کے دور میں بطور پیشین گوئی کہتے تھے ـ سندھی شاعری کی قدیم صنف دوہا ہے اور درویشوں کے یہ اشعار بھی ایک طرح سے دوہے ہیں ـ اس کے بعد سندھی کے اولین شاعر شیخ حماد ٹھٹھوی اور پھر پیر مراد شاہ سبزواری ، سید علی ثانی شیرازی اور اسحاق آہن گر کا پتہ چلتا ہے سندھی شاعری کا باقاعدہ دور قاضی قاضن سے شروع ہوتا ہے جن کا تعلق آخری سمہ دور اور ابتدائی ارغون دور سے ہے ـ ان کا انتقال ۱۵۵۱ ء میں ہوا تھا ـ اس دور کے ادب کی ایک اور اہم خصوصیت ظریفانہ ادب ہے ـ اس کے بانی ملا عبد الرحمن المعروف بہ لڑ تھے میر علی شعر قانع ٹھٹھوی لکھتے(۶۱) ہیں کہ یہ اصلاً عباسی تھے اور ایک مقتدر مشائخ اور ولی کامل تھے اور بقول آغا بدر عالم درانی (۶۲) اردو کے مزاحیہ ادب میں جس طرح ملا دوپیازہ اور بیربل اور فارسی میں ملا نصیر الدین کے لطائف و ظرائف مشہور ہیں ، اسی طرح سندھی ادب میں ملا لڑ کے لطائف و ظرائف کو خاص اہمیت حاصل ہے ـ سندھ کے صوفیائے کرام کی تاریخ میں یہ انفرادی بزرگ ہیں جن میں ولایت و ظرافت کا امتزاج تھا تحفۃ الکرام(۶۳) میں ہے چونکہ یہ خوش طبع واقع ہوئے تھے اور اپنی حالت کو چھپانے کے لئے ظرافت آمیز لطیفوں سے محفلوں کو رنگین بنا دیا کرتے تھے ، اس لئے اس نام سے مشہور ہیں ـ جاما نہ سمہ ان کے بے حد معتقد تھے اور بزرگان عصر ان کی بے حد تعظیم کیا کرتے تھے ـ

سمہ دور کی سندھی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر غلام علی الانہ لکھتے(۶۴) ہیں کہ سمہ دور کی شاعری میں صرف گزشتہ دور کے مضمون اور انداز بیان کی تقلید کی گئی ہے بلکہ اسی دور کی شاعری سے ہمیں اس وقت کے سیاسی ماحول ، تاریخ ، جغرافیہ ، مذہبی تحریکون ، دینی،دنیوی اور روحانی تعلیم کے بارے میں بھی پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح سندھی زبان کے موجودہ عربی رسم الخط کی ابتدا بھی اگر چہ عرب دور میں ہوئی تھی لیکن سمہ دور میں اس نے خاص طور پر ترقی کے مدارج طے کئے تھے۔

کتابیات

(الف اردو)

۱ ۔ تاریخ سندھ جلد اول ابو ظفر ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء

۲ ۔ تاریخ سندھ جلد اول اعجاز الحق قدوسی ۔ مرکزی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۱ ء

۳ ۔ تاریخ معصومی (اردو) میر محمد معصوم بکھری مترجم اختر رضوی سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹

۴ ۔ تحفۃ الکرام (اردو) میر علی شیر قانع ٹھٹھوی مترجم اختر رضوی سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹

۵ ۔ تذکرہ صوفیائے سندھ اعجاز الحق قدوسی ۔ اردو اکیڈیمی سندھ کراچی بار دوم ۱۹۷۵

۶ ۔ مختصر تاریخ ہند مولانا ابو ظفر ندوی ۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ بار سوم ۱۹۳۸

(ب) ۔ سندھی

۷۔ تاریخ تمدن سند مولائی شیدائی سند یونیورسٹی حیدر آباد ۱۹۵۹

۸ ۔ جنت السند مولائی شیدائی سندی اڈبی بورڈ کراچی ۱۹۵۸

٩ ـ سندهي ٻولي جي مختصر تاريخ ڊاڪٽر نبي بخش بلوچ حيدر آباد سند ١٩٦٢ ع
١٠ ـ لاڙ جي ادبي تاريخ خواجہ غلام علي الانا اداره سند شناسي سنڌھ يونيورسٽي ١٩٧٧ ع
١١ ـ مصلح المفتاح تصحيح و مقدمو ڊاڪٽر نبي بخش بلوچ اداره سند شناسي سنڌھ يونيورسٽي ١٩٧٠ ع
١٢ ـ مکلي نامہ تصحيح و مقدمو سيد حسام الدين راشدي سندي ادبي بورد حيدر آباد ١٩٦٧ع

(ج) ـ فـــارســـــی
١٣ ـ تحفتہ الطاهرين ، شيخ محمد اعظم ٺٽوي ، تصحيح آغا بدر عالم دراني سندهي ادبي بورڊ کراچي ١٩٥٦ ع
١٤ ـ مقالات الشعراء ـ مير علي شير قانع ٺٽوي تصحيح سيد حسام الدين راشدي سندهي ادبي بورڊ کراچي ١٩٥٧ عـ

(د) ـ انگـــريـــزی

English Books.
15 Calligraphers of Thatta by : M.A. Ghafoor. Institute of Central & West Arian Studies. University of Karachi——1978.
16. History of Sind—Arab Period vol. III By Dr. Mumtaz Husain Pathan. Snidhi Adabi Board—Hyderabad (Sind)1978

حواشی

۱ ـ History of Sind—Arab Period, vol. III
by Dr. Mumtaz Husain Pathan. Hyderabad (Sind) 1978 Page=310—311

۲ ـ تاریخ سندھ ، جلد اول ، مولانا ابو ظفر ندوی ، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۷ ء صفحہ ۳۴۷ ـ ۳۵۶

۳ ـ History of Sind—Arab Period, vol. III Page=221

۴ ـ مصلح المفتاح (سندھی) ـ تصحیح و مقدمہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ـ جامعہ سندھ ـ حیدر آباد ۱۹۷۰ ء صفحہ ۲

۵ ـ تاریخ سندھ جلد اول ، اعجاز الحق قدوسی ، طبع اول لاہور ۱۹۷۱ ء صفحہ ۳۹۳ ـ ۳۳۰

۶ ـ تاریخ معصومی (اردو ترجمہ) مترجم اختر رضوی ـ کراچی ۱۹۵۹ صفحہ ۸۹

۷ ـ مکلی نامہ تصحیح و حواشی ، سید حسام الدین راشدی ـ حیدر آباد ۱۹۶۷ ء صفحہ ۱۰۹

۸ ـ مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے تذکرہ صوفیائے سندھ ، اعجاز الحق قدوسی کراچی ۱۹۷۵ ء صفحہ ۹۱ ـ ۸۶

۹ ـ تحفة الکرام (اردو ترجمہ) میر علی شیر قانع ٹھٹھوی مترجم ، اختر رضوی ، سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ صفحہ ۵۶۳

۱۰ ـ مکلی نامۂ تبصحیح و حواشی سید حسام الدین راشدی حیدر آباد ۱۹۶۷ ء صفحہ ـ ۸۲

۱۱ ـ تحفة الکرام (اردو) صفحہ ـ ۵۶۳ ـ ۵۶۱

۱۲ ـ تحفة الطاهرین ، محمد اعظم ٹھٹھوی ، تصحیح و حواشی آغا بدر عالم درانی کراچی ۱۹۵۶ صفحہ ـ ۲۸

۱۳ ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۹۷

۱۴ ـ مصلح المفتاح صفحہ ـ ۲

۱۵ ـ مکلی نامہ صفحہ ۱۱۰

۱۶ ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۳۶۲

۱۷ ـ ایضاً صفحہ ـ ۱۰۱ ـ ۱۰۰

۱۸ ـ تحفة الکرام صفحہ ـ ۱۶۸

۱۹ ـ مکلی نامہ صفحہ ـ ۸۸

۲۰ ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۱۰۲

۲۱ ـ مآثر رحیمی جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ ، بحوالہ مکلی نامہ صفحہ ـ ۹۳

۲۲ ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۱۰۲

۲۳ ـ مکلی نامہ صفحہ ـ ۹۵

۲۴ ـ مصلح المفتاح صفحہ ـ ۴ ـ ۳

۲۵ ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۲۷۴

۲۶ ـ تحفة الکرام صفحہ ۶۵۹

۲۷ ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۱۰۴

۲۸ ـ تحفة الکرام صفحہ ۷۰ ـ ۱۶۹

۲۹ ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۱۰۴ ـ ۱۰۳

۳۰ـ مکلی نامہ صفحہ ۹۱ و ۸۷ ـ ۸۶

۳۱ـ مکلی نامہ صفحہ ـ ۹۱

۳۲ـ The Calligraphers of Thatta : by M.A. Ghafoor. Karachi - 1978. Page=57

۳۳ـ مصلح المفتاح صفحہ ـ ۳

۳۴ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۳۳۲ ـ ۳۳۱

۳۵ـ مکلی نامہ صفحہ ـ ۹۱

۳۶ـ مکلی نامہ صفحہ ـ ۹۶

۳۷ـ مقالات الشعراء ـ میر علی قانع ٹھٹھوی ، تصحیح سید احسام الدین راشدی کراچی صفحہ ـ ۱۶ ـ ۸۱۵

۳۸ـ تاریخ تمدن سندھ ـ (سندھی) مولائی شیدائی سندھ یونیورسٹی صفحہ ـ ۹۴-۳۹۳

۳۹ـ مختصر تاریخ ھند ، ابو ظفر ندوی ، دار المضفین اعظم گڑھ ۱۹۳۸ ع صفحہ ـ ۹۷

۴۰ـ تحفۃ الکرام صفحہ ـ ۲۹۷

۴۱ـ The Calligraphers of Thatta. Page=57—58.

۴۲ـ جنت السندھ (سندھی) مولائی شیدائی ـ کراچی ۱۹۵۸ ع صفحہ ـ ۳۶۰

۴۳ـ مختصر تاریخ ھند ، ابو ظفر ندوی صفحہ ـ ۱۰۱ ـ ۹۶

۴۴ـ مقالات الشعراء صفحہ ـ ۹۲ ـ ۹۱

۴۵ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۱۰۶

۴۶ـ مقالات الشعراً صفحہ ۱۱ ـ ۱۰

۴۷ـ جنت السندھ صفحہ ـ ۳۷۶

۴۸ـ ایضاً صفحہ ـ ۳۷۳ ـ ۳۷۲

۴۹ـ جنت السندھ صفحہ ـ ۳۷۱

۵۰ـ مصلح المفتاح صفحہ ـ ۳ ـ ۲

۵۱ـ تاریخ معصومی صفحہ ـ ۲۷۳

۵۲ـ مصلح المفتاح صفحہ ـ ۳

۵۳ـ تاریخ تمدن سندھ صفحہ ـ ۳۱۳

۵۴ـ تاریخ تمدن سندھ صفحہ ۳۹۳

۵۵ـ اور ۵۶ ـ تاریخ تمدن سندھ صفحہ ـ ۳۱۳

۵۷ـ تاریخ تمدن سندھ صفحہ ۳۱۳

۵۸ـ ایضاً صفحہ ۳۱۷

۵۹ـ مصلح المفتاح صفحہ ـ ۵ ـ ۳ ۔

۶۰ـ سندھی بولی جی مختصر تاریخ ـ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ـ حیدر آباد ۱۹۶۲ ع صفحہ ـ ۸۸

۶۱ـ تحفۃ الکرام صفحہ ـ ۵۶۵

۶۲ـ تحفۃ الطاھرین صفحہ ـ ۲۳

۶۳ـ تحفۃ الکرام صفحہ ـ ۵۶۵

۶۴ـ لاڑ جی ادبی تاریخ ،خواجہ غلام علی الانا ـ سندھ یونیورسٹی ۱۹۷۷ ع صفحہ ـ ۱۷۷.

* * * * * * *